اخبار احاد کی حجیت اور جدید نظریات-تنقیدی جائزہ

مسز منزہ مصدق
اسسٹنٹ پروفیسر' آزاد کشمیر یونیورسٹی' میر پور

اسلام میں کتاب وسنت کو بنیادی مصدر ماخذ اور ہر متنازعہ امر میں فیصلہ کن حیثیت حاصل ہے۔قرآن مجید کے بعد سنت رسول کا درجہ ہے۔جس کا خاصا ذخیرہ اخبار احاد پر مشتمل ہے۔ کیونکہ اخبار متواترہ کی تعداد اخبار احاد کے مقابلہ میں بہت کم ہے اس لیے ہر شعبہ زندگی میں رہنمائی کے حوالے سے خبر واحد پر بہت زیادہ انحصار کیا جاتا ہے۔تاہم اخبار احاد سے استدلال اور ان کی حجیت میں متجددین جمہور علماء سے مختلف نقطہ نظر رکھتے ہیں-ذیل کی سطور میں دونوں نقطہ ہائے نظر کا ایک تقابلی جائزہ پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

خبر واحد سے استدلال سے متعلق جمہور کا نقطہ نظر اور جدید نظریات

خبر واحد کی حیثیت سے متعلق دور جدید میں کئی نظریات پائے جاتے ہیں۔جن میں فراہی مکتب فکر کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ مولانا فراہی صاحبؒ خبر واحد کی بناء پر غلو' افراط وتفریط اور فرقہ آرائی کو پسند نہیں کرتے۔ساتھ ہی ساتھ انکا نقطہ نظر یہ ہے کہ خبر واحد محتمل صدق وکذب اور خطاء ہوتی ہے۔اس لئے مولانا فراہی صاحبؒ نے خبر واحد کو فرع کے درجہ میں رکھا-مولانا اخبار احاد کی بنیاد پر عقائد کے اثبات کے معاملہ میں محتاط ہیں۔وہ اخبار احاد کو ظنی مانتے ہیں۔کہ ان سے یقین کا فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔مقدمہ نظام القرآن میں لکھتے ہیں۔

''پس جب ایسے اصطلاحی الفاظ کا معاملہ پیش آئے جن کی پوری تعریف اور تصویر قرآن میں بیان نہ ہوئی ہو تو ان کے بارہ میں خواہ مخواہ اخبار احاد پر نہیں جم جانا چاہیے۔ورنہ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ خود بھی شک میں پڑو گے اور دوسروں کے اعمال کو بھی غلط ٹھہراؤ گے اور ان سے جھگڑو گے اور تمہارے درمیان کوئی ایسی چیز نہیں ہوگی جو جھگڑے کا فیصلہ کر سکے۔ایسی صورتوں میں صحیح راہ عمل یہی ہے کہ جتنے حصہ پر تمام امت متفق ہے اتنے پر قناعت کرو۔اور جن چیزوں کے بارے میں کوئی نص صریح اور متفق علیہ عمل نبی اکرم ﷺ کا موجود نہیں ان سے اپنے دوسرے بھائیوں سے جھگڑا نہ کرو۔ جہاں تک اصطلاحات شریعہ کا تعلق ہے قرآن کی اس وسیع شاہراہ پر چلنا چاہیے۔(۱)

مولانا فراہی صاحبؒ شرح مؤطا کے حاشیہ پر لکھتے ہیں:

سنت سلف متصل است باپیغمبر ﷺ و متواتر است و احاد

خبر محتمل صدق و کذب و خطاء، فہم و تبدیل درادائے
خبرست وطریق امام مالک و ابو حنیفه اعتماد بر سنت
است که زمان تابعین رادر یافته بودند ' بعد ازاں سنت خود
تغیر یافت و اعتماد علماء براخبار وروایات باقی ماند(۲)

اس سے معلوم ہوا کہ فراہی صاحب"خبر واحد پر انحصار کو صحیح نہیں سمجھتے کیونکہ ان میں صدق و کذب دونوں کا احتمال ہوتا ہے۔ نیز یہ معلوم نہیں ہوتا۔ کہ راوی نے بات کو ٹھیک سمجھا یا نہیں' یا وہ مفہوم کو درست طور پر ادا کر پایا یا نہیں۔ اس کے برعکس تعامل صحابہ اور تابعین پر اعتماد جو امام مالک کا طریقہ یا اجتہاد کی راہ اختیار کرنا جو امام ابوحنیفہ کا مسلک ہے۔ مولانا کے نزدیک زیادہ صواب ہے۔

درج بالا اقتباسات کی روشنی میں خبر واحد سے متعلق فکر فراہی سے متعلق مندرجہ ذیل نکات سامنے آتے ہیں۔

۱۔ مولانا فراہی حدیث کو خبر کے معنی میں لیتے ہیں اور خبر میں صدق و کذب اور خطا دونوں کا احتمال پایا جاتا ہے۔ لہذا احادیث ظنی ہیں اس لیے خبر واحد ان کے نزدیک حجت نہیں۔

۲۔ اس کے برعکس مولانا فراہی صاحب"تعامل صحابہ و تابعین پر اعتماد یا بالفاظ دیگر مالکیہ کی طرح اہل مدینہ کے تعامل کو خبر واحد کی نسبت زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔

۳۔ مولانا فراہی کی فکر سے اس نقطہ کا بھی استنباط ہوتا ہے کہ حنفیہ اخبار احاد کے بالمقابل اجتہاد کی راہ اختیار کرتے ہیں۔ اور قیاس کو ترجیح دیتے ہیں۔ اور خبر واحد کو اس سنت کا درجہ نہیں دیتے جو انہیں قیاس سے بے نیاز کر دے۔ اور خبر واحد کے بالمقابل اجتہاد سے کام لینا زیادہ اصح ہے۔

اب ان نکات کا تنقیدی جائزہ پیش خدمت ہے:-

خبر اور حدیث: میں فرق مولانا کے نزدیک خبر واحد قابل حجت نہیں کیونکہ اس میں صدق و خطاء دونوں کا احتمال پایا جاتا ہے۔ مولانا کے اس اعتراض کا جائزہ لینے سے پہلے یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ حدیث اور خبر میں فرق کی وضاحت کر دی جائے۔ علماء نے خبر کی کئی تعریفات کی ہیں۔

۱۔ ابوالحسن البصری کہتے ہیں

"انه کلام یفید بنفسه اضافة امر من الامور نفیاً او اثباتاً"(۳)

بعض متاخرین کے نزدیک مختار تعریف یہ ہے کہ خبر دو امور سے ترکیب پانے والے مرکب کو کہتے ہیں جن میں سے ایک امر کو دوسرے کی طرف نسبت کا خارج میں حکم لگایا گیا ہو۔ اور اس نسبت پر

سکوت صحیح ہو۔(۴)

امام غزالی نے المستصفی میں خبر کی تین قسمیں بتائیں ہیں:

۱۔ ''جس کے سننے کے بعد یقین ہو جاتا ہے کہ خبر سچی ہے اور اس میں جھوٹ کا گمان نہیں ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کے اقوال اور اس کے رسول کے ارشادات اور وہ خبر جو تواتر سے ثابت ہو۔ مثلاً دور افتادہ ممالک اور ان کے مشہور شہروں اور دریاؤں کے نام یا گزشتہ زمانے کی تاریخی ہستیاں جن کے وجود پر ان گنت لوگ ہر زمانے میں شہادت دیتے آئے ہیں۔

۲۔ جس کے سننے کے بعد یقین ہو جاتا ہے کہ یہ خبر جھوٹی ہے اور اس میں صداقت کا ادنی احتمال تک نہیں۔ مثلاً جو چیز عقل، حس، مشاہدہ اور اخبار متواترہ کے خلاف ہو یا کتاب اللہ اور سنت متواترہ کی کسی نص کے خلاف ہو۔

۳۔ جس کے صرف سننے سے ہم صدق و کذب کا فیصلہ نہ کر سکیں۔ بلکہ اس کی تصدیق و تکذیب کے لئے دوسرے قرآئن و شواہد کی ضرورت ہو۔ اگر ایسے قرائن پائے جائیں جو خبر کے صادق ہونے کی تائید کریں تو ہم اسے صادق کہیں گے اور اگر ایسے شواہد پائے جائیں۔ جو اس کے کاذب ہونے کی تائید کریں تو ہم اس کو کاذب کہیں گے۔(۵)

اس قسم اور پہلی دونوں قسموں میں فرق ہے۔ وہاں ہم خبر کو فقط سننے سے اس کی تکذیب و تصدیق کر سکتے ہیں۔ لیکن تیسری قسم میں فقط سن لینا اس کے متعلق فیصلہ کرنے کیلئے کافی نہیں بلکہ قرائن و شواہد کی ضرورت پڑتی ہے۔ یہ تعریف اور تقسیم خبر مطلق کی ہے۔ قطع نظر اس کے کہ خبر دینے والا کون ہے۔

حاصل بحث یہ ہے کہ کسی خبر میں صدق و کذب کا احتمال ہو سکتا ہے ہر خبر میں نہیں۔ فراہی صاحبؒ نے اس فرق کو پیش نظر نہیں رکھا۔

خبر اور حدیث کے باہمی تعلق کے بارے میں علماء کے اقوال یہ ہیں:

۱۔ خبر اور حدیث باہم مترادف ہیں۔ یہاں خبر سے وہی مراد ہے بلکہ بعض علماء کے نزدیک تو حدیث خبر اور اثر تینوں مترادف ہیں۔ اور ان کا معنی وہ قول فعل تقریر یا صفت ہے جو نبی اکرم ﷺ کی طرف منسوب کی گئی ہو۔ فقہاء خراسان نے موقوف یعنی صحابی کے قول و فعل کو اثر اور مرفوع یعنی نبی اکرم ﷺ کے قول و فعل اور تقریر کو خبر کا نام دیا۔ اور بعد میں اس فرق کو اکثر محدثین نے اختیار کیا۔

۲۔ حدیث وہ ہے جو رسول ﷺ سے حاصل ہو اور خبر وہ ہے جو آپ کے علاوہ صحابی سے حاصل

ہواس وجہ سے تواریخ میں اشتغال رکھنے والے کو محدث کہتے ہیں۔(۶)

۳۔ حدیث اور خبر کے درمیان عموم اور خصوص کی نسبت ہوتی ہے لہذا ہر حدیث خبر ہوتی ہے جبکہ ہر خبر حدیث نہیں ہوتی۔(۷)

پس معلوم ہوا کہ فن حدیث میں خبر ایک اصطلاح ہے جو محدثین کے نزدیک حدیث کے مترادف ہے پس فراہی صاحب کا یہ کہنا ہے کہ ایسے اصطلاحی الفاظ کا معاملہ پیش آئے جس کی پوری تصویر قرآن میں بیان نہ ہو غلط فہمی کے سوا کچھ نہیں۔ کیونکہ دین وشریعت کی بہت سی اصطلاحیں قرآن میں بیان نہیں ہوئیں۔اور ہمیں حدیث سے ان کے بارے میں پتہ چلتا ہے۔پس جب اصطلاحی لفظ کی پوری تصویر قرآن میں بیان نہیں ہوگی تو ہم ان کے بارے میں کیا خبر واحد پر اعتماد نہیں کریں گے؟۔ ہاں اگر قرائن خبر کی تصدیق کریں تو خبر کی تصدیق کی جائے گی البتہ بعض قرائن قوی اور بعض کمزور ہوتے ہیں۔لہذا اس لحاظ سے حدیث پر عمل کے مختلف مراحل ہوتے ہیں۔بعض احادیث پر عمل واجب ہوتا ہے۔اور بعض پر مستحب۔

خبر واحد کی تعریف

خبر واحد علماء وحدیث وفقہ کے ہاں مخصوص اصطلاح ہے اور خبر واحد اس حدیث کو کہا جاتا ہے جس کو ایک راوی نے دو یا دو سے زیادہ راویوں سے روایت کیا ہو۔لیکن ان کی تعداد حدیث مشہور و متواتر کے راویوں سے کم ہو۔

علامہ البزدویؒ خبر واحد کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

''وہو کل خبر یرویه الواحد المخبر الواحد والاثنان ای او الاثنان لاعبرة للعدد فیه لایخرج عن کونه خبر واحد حکماً وان کان المخبر متعدد بعد ان لم یبلغ درجة المتواتر والاشتهار''(۸)

علامہ بزدویؒ کی اس تعریف سے معلوم ہوا کہ خبر واحد سے مراد حدیث کی روایت کرنے والا ایک راوی نہیں بلکہ دو یا متعدد راویوں نے حدیث کو روایت کیا ہو۔لیکن وہ درجہ تواتر و مشہور کے راویوں سے کم ہو۔

فقہاء کے نزدیک تقسیم حدیث کے حوالے سے دو مؤقف ہیں۔جمہور کا مؤقف' احناف کا مؤقف۔

جمہور فقہا کے نزدیک محدثین کی طرح بنیادی طور پر حدیث کی دو ہی اقسام ہیں۔خبر متواتر' خبر احاد۔احناف کے نزدیک تین اقسام ہیں۔متواتر' مشہور' احاد متواتر کی تعریف وہی ہے جو عمومی طور پر محدثین کے ہاں پائی جاتی ہے۔یعنی ماروا ة عدد کثیر تحیل العادة تواطؤهم علی

الکذب۔(۹)

(وہ حدیث جسے ایسی کثیر تعداد روایت کرتی ہوں۔جن کا جھوٹ پر اتفاق کر لینا عادۃ محال ہو)۔

دیگر تعریفات حسب ذیل ہیں:۔

خبر مشہور ایسی خبر جس کو ایک یا دو رواۃ نے روایت کیا ہو اور پھر تابعین و تبع تابعین کے زمانے میں وہ شہرت کو پہنچ گئی ہو۔

خبر واحد ایسی خبر جس کو ایک یا دو رواۃ نے روایت کیا ہو جو نہ تو خبر متواتر ہو اور نہ خبر مشہور۔

احناف عام طور پر ایسی خبر مشہور کو عملی طور پر متواتر کا درجہ دیتے ہیں۔جو کہ اصل میں خبر واحد ہوتی ہے مگر بعض کے ادوار میں شہرت حاصل کر لیتی ہے اس بحث کو دیکھتے ہوئے یہی بہتر معلوم ہوتا ہے کہ اگر شروع سے آخر تک کم از کم تین رواۃ (جیسا کہ محدثین کے نزدیک ہے ہوں تو کہ مشہور وگرنہ ایسے خبر واحد ہی میں شمار کیا جائے گا۔

خبر اور خبر واحد کی وضاحت کے بعد ضروری معلوم ہوتا ہے۔کہ خبر واحد کی شرائط پر بھی ایک نظر ڈال لی جائے جن کی بناء پر فقہا کے نزدیک خبر واحد قابل حجت بن جاتی ہے۔فقہا نے خبر واحد کے لئے کڑی شرائط عائد کی ہیں۔

خبر واحد کی شرائط

خبر واحد کی شرائط آٹھ ہیں جو اگر خبر واحد میں پائی جائیں تو ان پر عمل واجب ہو جاتا ہے جن میں سے چار راوی میں اور چار نفس روایت (متن) میں ہوتی ہے۔

۱۔ **شرط سند**

۲۔ **عقل و بلوغ:** بچے کی حدیث قبول نہیں کی جائے گی کیونکہ وہ سن شعور کو نہیں پہنچا اس طرح اگر بالغ ہونے کے بعد اس کی عقل کسی صدمہ سے ماؤف ہو گئی ہو تو اس کی حدیث معتبر نہیں ہو گی۔

۲۔ **عدالت**

خبر واحد میں عدالت کی شرط سے بحث کرتے ہوئے علامہ بزدویؒ خیال ظاہر کرتے ہیں کہ:

وہو الانزجار عن محظورات دینہ لثبت بہ رجحان الصدق فی خبرہ (۱۰)

اور عدالت یہ ہے کہ انسان ممنوع امور سے رک جائے۔تا کہ اس کی خبر میں صدق کا رجحان ثابت ہو سکے۔

علامہ بزدویؒ کا عدالت کی تعریف سے مقصود یہ ہے کہ راوی میں کچھ اخلاق و آداب کے

منافی امور موجود نہ ہوں۔ یعنی وہ خلاف مروت اور خلاف اخلاق کوئی کام انجام نہ دیتا ہو۔ اور خبر میں صدق کا پہلو غالب ہو۔

ضبط

ضبط کی تعریف کرتے ہوئے بزدوی لکھتے ہیں:-

"وأماالضبط فانمایشترط لان الکلام اذاصح خبرأفانه' یحتمل الصدق والکذب والحجة ہوالصدق فاماالکذب فباطل والکلام فی خبرہو حجةفصارالصدق والاستقامة شرطاللخبرلیثبت حجة بمنزله المعرفة والتمیز لا صل الکلام والصدق بالضبط"(۱۱)

(جہاں تک ضبط کا تعلق ہے تو وہ بھی شرط ہے۔ کیونکہ جب کلام خبر کے اعتبار سے درست ہو تو اس میں صدق و کذب دونوں کا احتمال ہے۔ جبکہ صدق حجت ہے اور جھوٹ باطل ہے۔ اور خبر میں کلام حجت ہے۔ لہذا صدق اور استقامت خبر کے لیے حجت قرار پایا۔ تا کہ معلوم ہو جائے کہ اس میں اصل کلام کیا ہے۔ اور اس کا حجت ہونا ثابت ہو جائے)۔

حاصل بحث یہ ہے کہ راوی قوت کلام اور صدق کلام سے موصوف ہو اور یہ حفظ و ضبط یاداشت اور کتاب دونوں کی حفاظت پر مشتمل ہو۔

اسلام

ان اوصاف کے پائے جانے کے باوجود اگر وہ مسلمان نہیں تو اس کی حدیث معتبر نہیں ہوگی۔ کیونکہ امور دین میں کافر کا کیا اعتبار اور اسلام سے مراد وراثت میں ملا ہوا اسلام نہیں کہ مسلمانوں کے گھر پیدا ہوئے' ختنہ ہوگیا اور بس اسلام مکمل ہوگیا۔ نہ ضروریات دین کا علم اور نہ احکام اسلام کا تصور بلکہ اسلام علی وجہ البصیرت مراد ہے۔

شروط متن

۱۔ خبر واحد کتاب اللہ کے مخالف نہ ہو

۲۔ حدیث مشہور کے خلاف نہ ہو۔

۳۔ تیسری شرط یہ ہے کہ خبر واحد ایسے مسائل سے متعلق نہ ہو جن کا وقوع عام ہوتا ہے اور ہر شخص اس کے جاننے کے لیے مضطر ہوتا ہے اگر خبر واحد میں ایسا حکم ہو، جسے جاننے کے لیے عوام

الناس محتاج ہوں، تو وہ خبر بھی متروک ہوگی۔ کیونکہ اس حکم کی طرف عوام کا احتیاج اس امر کا مقتضی ہے کہ یہ حدیث مشہور ہوتی اور ہر شخص اسے جانتا۔ اب اگر ایسا نہیں تو ہم سمجھیں گے کہ یا تو حکم منسوخ ہو چکا ہے اس لیے لوگوں نے اس کا جاننا ضروری نہ سمجھا اور اس طرح یہ روایت محدود ہوگئی یا راوی کو غلط فہمی ہوگی۔ (۱۲)

۴۔ اس حدیث سے صحابہ کرام نے استدلال ترک نہ کیا ہو۔ کیونکہ اگر وہ رسول ﷺ سے ثابت ہو تو کوئی صحابی اس سے استدلال کرتا۔ اور جب کسی صحابی نے اس سے استدلال نہ کیا۔ تو یہ اس کے ضعف کے لیے کافی ہے۔ (۱۳)

خبر واحد کا حکم

ان جملہ شرائط کے پائے جانے کے علاوہ جمہور علماء کے نزدیک خبر واحد سے ہمیں جو علم حاصل ہوگا اس کے بارے میں علماء مختلف الخیال ہیں بعض کے نزدیک اس سے علم یقینی حاصل ہوتا ہے ۔ اور بعض کے نزدیک ظنی اور جیسا کہ خبر واحد کی شرائط میں بیان کیا جا چکا ہے کہ اگر خبر واحد میں قبولیت کی تمام شرائط پائی جائیں اور ساتھ ہی ساتھ قرائن بھی اس کی تصدیق کریں تو ایسی حدیث امت کے نزدیک قابل قبول ہے۔ اس پر عمل واجب ہے اور ایسی حدیث یقینی علم کی موجب ہوتی ہے۔ لیکن یہاں پر فراہی صاحب نے امت سے الگ مؤقف پر اصرار کیا اور وہ خبر واحد ظنی سمجھتے ہیں۔ اس صورت میں سوائے چند احادیث کے ان کے نزدیک حدیث کا پورا ذخیرہ نا قابل عمل ہے۔ اور حدیث کے بارے میں انکا یہی مؤقف درحقیقت استخفاف حدیث پر منتج ہوتا ہے اور منکرین حدیث کیلئے چور دروازے کھولنے کے مشابہ ہے۔

خبر واحد کی حجیت:

خبر واحد امت میں حجت رہی ہے اور ہے اس بارے میں ابن حزم لکھتے ہیں:۔

''وایضاً فان جمیع اھل الاسلام کانوا علی قبول خبر واحد ثقه عن النبی ﷺ یجری علی ذلك کل فرقة فی علمها کاھل السنة والخوارج والشیعه والقدریه حتی حدث متکلموا المعتزلة بعد المأة من التاریخ مخالفوا الاجماع فی ذلك''(۱۴)

(یعنی اس طرح تمام اہل اسلام ثقہ راوی کی نبی ﷺ سے مروی خبر واحد کو قبول کیا کرتے تھے۔ اس پر ہر فرقہ اہل سنت وخوارج شیعہ اور قدریہ متفق تھے حتی کہ پہلی صدی ہجری کے بعد معتزلہ پیدا ہوئے اور ان لوگوں نے اس بارے میں اجماع

امت کی مخالفت کی)

یعنی امت میں پہلی صدی ہجری تک خبر واحد کی قبولیت میں کوئی اختلاف نہ تھا یہاں تک کہ معتزلہ نے اس بارے میں اجماع امت کی مخالفت کی۔ حافظ ابن قیم نے صواعق المرسلہ کی جلد دوم میں تقریباً سو سے زیادہ صفحات خبر واحد کی عدم حجیت کے متعلق معتزلہ کے باطل نظریات کی تردید میں رقم فرمائے ہیں۔ یہ نفیس بحث اس ضمن میں لائق مراجعت ہے۔

علمائے احناف میں عیسی ابن ابان کا رجحان اعتزال کی جانب تھا چنانچہ صاحب غایۃ التحقیق شرح حسامی میں فرماتے ہیں۔

"قال عیسی بن أبان و عبد الجبار من المعتزله"(۱۵)

چنانچہ حنفی کتب میں یہ اصول مذکور ہے کہ وہ روایتیں جن کے راوی فقاہت کے لیے معروف نہ ہوں مگر عدالت وضبط کے لیے مشہور ہوں۔ مثلاً ابوھریرہ اور انس بن مالک اگر قیاس کے موافق ہوں تو ان پر عمل کیا جائے گا۔ لیکن اگر قیاس کے خلاف ہوں تو ان کو ضرورۃ ترک کر دیا جائے گا۔(۱۶)

اخبار احاد عمل کے لیے حجت ہیں اس پر تمام علماء کا اتفاق ہے امام شافعی نے "الرسالہ" میں "الحجة فی تثبیت خبر الواحد" کے عنوان سے خبر واحد کی حجیت پر مدلل اور مفصل بحث کی ہے۔(۱۷)

شوکانی کے الفاظ میں:-

"وقد ذهب الجمهور الی وجوب العمل بخبر الواحد وأنه قد وقع التعبد به"(۱۸)

یعنی جمہور تعبدی امور میں خبر واحد پر عمل کے وجوب کے قائل ہیں۔

شیخ ناصر الدین البانی لکھتے ہیں:-

"ان القائلین بأن حدیث الاحادلاتثبت به عقیده 'ویقولون فی الوقت نفسه'بأن الاحکام الشرعیه تثبت بحدیث الآحاد' وهم بهذاقدفرقوابین العقائدوالاحکام۔فهل تجد هذا التفریق فی النصوص المتقدمة من الکتاب والسنة ؟ کلاّ وألف کلا' بل هی لعمومها واطلاقاتها تشمل العقائد ایضاً"(۱۹)

جو لوگ اس بات کے قائل ہیں۔ کہ حدیث احاد سے عقائد کا اثبات نہیں کیا جا سکتا وہ یہ بھی کہتے ہیں اس سے احکام شریعہ ثابت ہوتے ہیں۔ اس طرح انہوں نے

عقائد اور احکام میں تفریق کر دی۔ کیا تم کو کتاب وسنت کی نصوص میں یہ تفریق ملتی ہے۔؟ ہرگز نہیں ہرگز نہیں بلکہ سنت میں اس کے عموم اور اطلاقات کی بناء پر عقائد بھی شامل ہیں۔

محدثین نے یہ بھی لکھا کہ اخبار احاد کا مفید یقین ہونا قرائن پر منحصر ہے۔ یعنی اس کا فیصلہ قرائن کے قوت وضعف پر ہوگا۔

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:

''الخبر المحتف بالقرائن قد یفید العلم ''(۲۰)

وہ خبر جو قوی قرائن رکھتی ہو مفید علم ہے۔

اخبار احاد کے مفید یقین ہونے کے دلائل حافظ ابن کثیر نے (۲۱)' علامہ شوکانی نے (۲۲) اور امام ابن تیمیہ نے اپنے فتاوی میں نقل کیے ہیں۔ (۲۳)

پس علماء کے ان اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ احادیث ظنی نہیں مفید یقین ہیں۔

محدثین اور فقہاء کی ایک قلیل تعداد خبر واحد کے ظنی ہونے کی قائل ہے۔ لیکن اس کے باوجود مذکورہ بالا علماء کے دلائل سے یہ ثابت ہوا کہ خبر واحد عمل کے لئے قابل حجت ہے۔

علماء کے ان اقوال کے علاوہ چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ خبر واحد عمل کے لیے قابل حجت ہے۔

۱۔ خبر واحد کی حجیت کے لئے یہ امر کافی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے مختلف بادشاہوں کو خطوط لکھے۔ انہیں پہنچانے والے قاصدین ایک ہی تھے۔

۲۔ معاذ بن جبل کو یمن روانہ فرمایا وہ واحد ہی تھے۔

۳۔ زکوۃ کی وصول یابی کے لئے ایک ہی شخص کو روانہ فرماتے جو زکوۃ کے احکام لوگوں کو بتا کر ان سے زکوۃ وصول کرتا۔

۴۔ فتح مکہ کے روز مختلف کفار جو فرار ہو گئے تھے۔ ان کے اعزاء نے جب ان کے لیے امان طلب کی آپ نے امان دی اور انہیں بلانے کے لیے بھیجا۔

۵۔ اس طرح بے شمار روایتیں ہیں کہ جن کو احکام کے اثبات میں نبی اکرم ﷺ شرف قبولیت بخشا۔ اس ضمن میں احمد بن علی الرازی الجصاص نے اپنی ''کتاب الفصول فی علم الاصول'' میں اس ضمن میں ایک باب باندھا ہے جس کا عنوان ہے ''الکلام علی قبول أخبار الا حاد فی امور الدیانات (۲۴) جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے فقہاء اخبار

احادکو احکام کے اثبات میں حجت تسلیم کرتے ہیں۔

۶۔ اگر خبر واحد حجت نہ ہو تو یہ کاروبار زندگی یکسر ختم ہو کر رہ جائے۔ کیونکہ شب و روز کے معاملات خبر واحد پر ہی موقوف ہیں۔ جب آپ کسی کو خط تحریر کرتے ہیں۔ تو یہ بھی خبر واحد ہے۔ کوئی کسی کے مرنے اور پیدا ہونے کا واقعہ بیان کرتا ہے سب خبر واحد ہیں کوئی آپ سے کہتا ہے کہ یہ شے فلاں کی ہے تو یہ بھی خبر واحد ہے۔ لیکن جو شرائط خبر واحد کی فقہاء محدثین سے مذکور ہیں۔ ان کو ملحوظ خاطر رکھنا چاہیے۔

۷۔ مصطفیٰ سباعی نے اخبار احاد کی حجیت کے چونتیس دلائل ذکر کئے ہیں۔ طوالت کے خوف سے ان سے صرف نظر کیا جاتا ہے۔ (۲۵)

خبر واحد کی حجیت کے مواقع

صاحب اصول الشاشی بیان کرتے ہیں کہ خبر واحد چار موقعوں پر بطور دلیل پیش ہو سکتی ہے۔

۱۔ خالص حق اللہ جہاں حق العباد نہ ہو اور نہ عمل عقوبت و سزا مثلاً روزہ نماز وغیرہ

۲۔ خالص حق العباد جس میں الزام نہ ہو۔

۳۔ خالص حق العباد جس میں الزام محض ہو۔

۴۔ خالص حق العباد جس میں الزام ہو۔

اول یعنی خالص حق اللہ میں خبر واحد مقبول ہے کیونکہ آنحضور ﷺ نے رویت ہلال رمضان میں اعرابی کی شہادت کو قبول کیا دوسری قسم یعنی حق العباد میں شاہدین کی تعداد کم سے کم دو ہو ان کا عادل ہونا شرط ہے اس کی نظیر منازعات باہمی ہیں۔ تیسری قسم یعنی خالص حق العباد بلا الزام کی ایک گواہی قبول ہوتی ہے عادل ہو یا فاسق اس کی نظیر و مثال معاملات باہمی مضاربات وغیرہ ہیں۔ چوتھی قسم حق العباد جس میں من وجہ الزام ہو' امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس میں عدد شرط ہے یا عدالت مثلاً وکیل کو وکالت سے برطرف کرنے کی خبر وغیرہ وغیرہ (۲۶)

فقہ مالکیہ کا اخبار احاد کے مقابل تعامل اہل مدینہ پر اعتماد:

فراہی صاحب کا یہ کہنا ہے کہ فقہ مالکیہ تعامل اہل مدینہ کے مقابلے میں اخبار احاد کو اہمیت نہیں دیتے درست نہیں۔ امام مالک' حدیث و فقہ دونوں میں یکساں مہارت رکھتے تھے۔ آپ کے اصول مذہب وہی تھے جو دوسرے آئمہ کے ہاں معتبر ہیں۔ یعنی کتاب' سنت' اجماع اور قیاس۔ البتہ آپ نے ان پر دو کا اضافہ کیا۔ تعامل اہل مدینہ' دوم مصالح مرسلہ

آپ اہل مدینہ کے تعامل کو اس لیے اہمیت دیتے کہ اس سے صرف نبی کریم ﷺ کے فعل یا

حالت کا پتہ چلتا۔ آپ کے نزدیک اہل مدینہ کے عمل کو اس وقت حجت قرار دیا جائے گا۔ جب اس پر اجماع منعقد ہو چکا ہو۔ امام مالک کے ہاں عمل اہل مدینہ کا درجہ قرآن وسنت کے بعد آتا ہے اور جب خبر واحد اور اہل مدینہ کا عمل باہم متعارض ہوں تو ان کے نزدیک مؤخر الذکر کو ترجیح دی جائے گی۔

علامہ شاطبی نے موافقات میں اس پر مستقل بحث کی ہے:- اور انہوں نے امام مالک کا راجح مسلک یہی قرار دیا۔

شاطبی فرماتے ہیں:

''اذاء جاء معارضاالقاعدة من قواعدالشرع هل يجوزالعمل به ام لا؟فقال ابوحنيفه لايجوزالعمل به وقال الشافعي يجوزو ترددفى المسئلةقال ومشهورقوله والذى عليه المعمول أن الحديث أن عضدته قاعده اخرى قال به وأن كان وحده تركه''(۲۷)

(یعنی اگر خبر واحد کسی قاعدہ شریعت کے معارض ہو تو کیا اس پر عمل جائز ہے امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ ناجائز ہے اور امام شافعی کہتے ہیں کہ جائز ہے اور امام مالک کا مشہور قول یہی ہے کہ حدیث کی تائید میں اگر کوئی قاعدہ ہو تو عمل جائز ہے اگر نہ ہو تو اس کا چھوڑ دینا صحیح ہے اگر روایت سنت مشہورہ یا توارث وتعامل صحابہ کے خلاف ہو تو بھی اس کا صحیح موقع محل متعین کیا جائے گا)۔

اس کی ایک مثال مسئلہ رفع یدین ہے۔ تکبیر تحریمہ کی حد تک تو رفع یدین کا مسئلہ اتفاقی ہے۔ مگر دیگر مواقع میں رفع یدین میں عبداللہ بن عمر کی روایت مختلف ہے۔ حضرت سالم کی سند میں تین بار رفع یدین کا ذکر ہے(۲۸) نافع کی سند میں چار جگہ رفع یدین کا ذکر ہے(۲۹) اسی بناء پر امام ابوحنیفہ نے کوفہ میں اصحاب علی وابن مسعود کا عمل دیکھا اور ترک رفع یدین کا حکم لگایا۔

امام مالک کے زمانہ میں اہل مدینہ کا تعامل بھی ترک رفع یدین تھا چنانچہ ابن رشد نے بدایہ میں اسی کو امام مالک کے روایت ترک رفع کو اختیار کرنے کی بنیاد بتایا ہے۔

ابن رشد لکھتے ہیں:

''ان السبب لرواية الترك عن مالك بوعمل اهل المدينه اذاذلك فهذا البعدالعظيمةلعله مبنى الترك''(۳۰)

امام مالک نے ترک رفع یدین کا قول اہل مدینہ کے عمل کی وجہ سے اختیار کیا اور اسی طرح مکۃ المکرّمۃ میں ترک رفع یدین کا عمل ہے۔

پس معلوم ہوا کہ امام مالک بھی اہل مدینہ کے تعامل کے معاملہ میں خبر واحد کو اہمیت دیتے تھے جیسا کہ مذکورہ مثال سے ظاہر ہے۔ گو دیگر علماء کے نزدیک تعامل اہل مدینہ کی وہ اہمیت نہیں جو امام مالک کے نزدیک ہے۔

فقہ مالکی کے عالم شاطبی کا ایک قول تعامل اہل مدینہ کے بارے میں مذکور ہے کہ وہ (امام مالک) اس سے دلیل لینے کے قائل ہیں۔(۳۱)

احناف کا اخبار احاد کے مقابل اجتہاد اور قیاس کو ترجیح دینا:

فراہی صاحب کا امام ابوحنیفہ کے بارے میں یہ خیال کہ وہ روایات کے بالمقابل اجتہاد اور قیاس کو ترجیح دیتے تھے۔ اور یہ کہ آپ کے تلامذہ اصحاب الرائے میں سے ہیں اس لیے احادیث کے مقابلے میں اجتہاد اور قیاس کی راہ اختیار کرنا زیادہ قرین صواب ہے۔ غلط فہمی پر مبنی ہے متقدمین میں سفیان ثوری، اوزاعی اور امام جعفر وغیرہ آپ کے متعلق یہی رائے رکھتے تھے۔ کہ آپ رائے اور قیاس کو سنت پر مقدم سمجھتے ہیں۔ ابن ابی شیبہ نے بھی ۱۲۵ مسائل میں امام صاحب پر مخالفت کا الزام لگایا۔ لیکن علماء نے اس الزام کی تردید میں کتابیں لکھیں۔ شعرانی نے میزان الکبری میں ایک مستقل فصل اس موضوع پر قائم کی:

''فصل فی بیان ضعف قول من نسب الامام أبا حنیفه الی أنه
' یقدم القیاس علی حدیث رسول ﷺ''(۳۲)

''اس طرح امام شافعی نے اپنی کتاب ''الرساله میں اخبار الرساله''میں اخبار احاد سے اخذ واحتجاج کے سلسلہ میں جو دلائل دیئے ہیں ان سے بھی یہ حقیقت عیاں ہوتی ہے کہ امام ابوحنیفہ حدیث کے مقابلہ میں رائے کو ترجیح نہیں دیتے۔

ابن قیم لکھتے ہیں:

اصحاب ابی حنیفہ کا اس پر اجماع منعقد ہو چکا ہے کہ امام صاحب کے نزدیک ضعیف حدیث قیاس ورائے سے افضل ہے۔(۳۳)

ابن حزم لکھتے ہیں:

''جمیع أصحاب أبی حنیفة مجمعون علی أن مذهب أبی حنیفة
أن ضعیف الحدیث اولی عنده من القیاس والرای ''(۳۴)

تمام اصحاب ابی حنیفہ کا اس پر اتفاق ہے کہ امام صاحب کا مسلک یہ تھا کہ ان کے نزدیک ضعیف حدیث بھی قیاس پر مقدم تھی۔

بہر کیف احناف کی تردید میں سرگرم حصہ لینے والے ہر دو امام ابن حزم و ابن قیم کا مندرجہ بالا بیان اس امر کی وضاحت کیلئے کافی ہے کہ امام ابوحنیفہ ودیگر ائمہ احناف قیاس ورائے کے مقابلہ میں حدیث ضعیف واحاد کو ترجیح دیتے تھے۔

امام صاحب کے متعلق فراہی صاحب کا یہ کہنا کہ آپ قیاس کو حدیث پر ترجیح دیتے تھے۔ یہ درحقیقت اس وجہ سے ہے کہ امام ابوحنیفہ نے کچھ ایسے معیارات بنائے ہیں۔ جو ان کو محدثین کے معیارات نقد اور دیگر فقہا کے معیارات نقد سے بھی نمایاں اور ممتاز کرتے ہیں۔ اگر امام ابوحنیفہ کے معیارات نقد پر غور کریں اور دوسری جانب ان کے اصول اجتہاد میں حدیث وسنت کی عظمت اور حجیت کو دیکھیں تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ایک طرف ابوحنیفہ قبول حدیث کے معاملے میں اپنے معیار کو پست نہیں ہونے دیتے اور دوسری طرف حدیث کو چھوڑ کر حدیث کے مقابلہ میں قیاس پر عمل کرنا بھی گوارا نہیں کرتے۔ حتیٰ کہ ضعیف حدیث مرسل روایت یا آثار صحابہ بھی ان کے نزدیک قیاس سے راجح ہیں۔

اس ضمن میں اگر ہم امام ابوحنیفہ کے خبر واحد کی حجیت کے اصولوں پر ایک نظر ڈال لیں تو معاملے کی شکل زیادہ واضح ہو کر سامنے آجائے گی۔

امام ابوحنیفہ کے نزدیک خبر واحد کی حجیت کے اصول:

محدثین نے صحیح روایت کے لئے جن پانچ شرائط کو ضروری قرار دیا ابوحنیفہ نے ان میں اضافہ بھی کیا اور ضبط راوی کے سلسلہ میں ان کا مؤقف محدثین کی نسبت زیادہ سخت ہے۔ محدثین کے نزدیک ضبط کے لئے ضروری ہے کہ راوی پورے حفظ وضبط اور مکمل اعتماد کے ساتھ روایت نقل کرے۔ خواہ ضبط اسے اپنے حافظہ کی بنیاد پر حاصل ہو یا کسی نوشتہ کی وجہ سے جبکہ امام ابوحنیفہ تحریری مجموعہ کے مقابلہ میں راوی کے ضبط صدر کو اہمیت دیتے اور اسے ضبط راوی شمار کرتے ہیں۔ خطیب بغدادی یحییٰ بن معین کا قول نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

امام ابوحنیفہ صرف وہ حدیثیں بیان کرتے ہیں جن کے وہ حافظ ہیں۔ اور جن کے وہ حافظ نہیں وہ وہ بیان نہیں کرتے۔ (۳۵)

امام ابوحنیفہ کے اس مؤقف کو امام نووی نے تقریب میں (۳۶) حافظ سیوطی نے تدریب میں اور ابن صلاح نے مقدمہ ابن الصلاح (۳۷) میں تسلیم کیا ہے۔

راوی کے ضبط کے مفہوم ومصداق میں محدثین کی نسبت شدت کے علاوہ امام ابوحنیفہ نے عدالت راوی کے سلسلہ میں بھی کچھ شرائط کا اضافہ کیا ہے۔ کہ وہ طبقہ جن کے عقائد ونظریات کی بنیاد و اساس صحابہ کرام کو گنہ گار قرار دینا ہے۔ اس طبقہ سے روایت لینے کو امام ابوحنیفہ نے بڑی وضاحت و

صراحت اور بے لاگ انداز میں منع فرمایا ہے۔

امام ابوحنیفہ قبول روایت کے لیے پانچ شرائط کے بعد اس شرط کا بھی اضافہ کرتے ہیں کہ اگر روایت کا تعلق مسلمانوں کی عملی زندگی سے ہو تو ضروری ہے کہ نقل کرنے والا ایک نہ ہو اس کو نقل کرنے والی ایک جماعت ہو اور وہ جماعت بھی نیک اور پارسا لوگوں کی ہو۔ عبدالوہاب شعرانی لکھتے ہیں:

''قد کان الامام ابو حنیفة یشترط فی الحدیث المنقول عن رسول ﷺ الصحاب جمیع اتقیاء عن مثلهم و هکذا''(۳۸)

(جو حدیث رسول اکرم ﷺ سے منقول ہو اس کی بابت امام ابوحنیفہ یہ شرط لگاتے ہیں کہ اس روایت کو متقی لوگوں کی ایک جماعت برابر اس صحابی سے نقل کرتی آئے)

اخبار احاد میں تضاد کی صورت میں امام ابوحنیفہ کا ایک اصول یہ بھی ہے کہ اگر ایک مسئلہ میں دو اخبار احاد میں سے ایک، کسی چیز کو مباح قرار دے رہی ہو۔ اور دوسری کسی چیز کو حرام قرار دے رہی ہو۔ اس طرح اگر ایک ہی واقعہ کے بارے میں راوی کسی امر زائد کی نفی کرے اور دوسرا اثبات، تو اگر نفی دلیل پر مبنی نہ ہو تو نفی کی روایت قبول نہیں کی جائے گی۔(۳۹)

امام ابوحنیفہ کی بیان کردہ شرائط اخبار احاد سے اس خیال کی وضاحت ہوتی ہے کہ آپ رائے اور قیاس کے بالمقابل اخبار احاد کو ترجیح دیتے تھے۔ البتہ خبر واحد کو قبول کرنے کی شرائط باقی فقہاء کی نسبت سخت اور شدید ہیں۔ امام مالک خبر واحد کے ساتھ تعامل اہل مدینہ کی شرط کافی سمجھتے ہیں۔ جبکہ امام ابوحنیفہ خود راوی کی روایت کے مطابق عمل کی قید لگا کر روایت کی ثقاہت میں اضافہ کرتے ہیں۔(۴۰)

پس معلوم ہوا کہ آپ خبر واحد کو اہمیت دیتے ہیں اگر وہ امام صاحب کی بیان کردہ شرائط پر پورا اترے۔ اور خبر واحد کے مقابلہ میں اجتہاد اور قیاس کو ترجیح نہیں دیتے۔ اس ضمن میں دو مثالیں ملاحظہ ہوں۔

۱۔ ''جس حدیث میں قہقہہ کا ذکر ہے وہ ضعیف ہے تاہم امام صاحب نے اس کو قیاس پر ترجیح دی۔

۲۔ حالت سفر میں نبیذ کے ساتھ وضو کرنے کی اجازت پر مشتمل حدیث ضعیف ہے امام صاحب کے نزدیک قیاس کے بالمقابل یہ حدیث قابل ترجیح ہے''۔(۴۱)

ان امثلہ سے معلوم ہوا کہ امام ابوحنیفہ خبر واحد کو قیاس پر ترجیح دیتے تھے۔ اور جہاں تک اجتہاد کا تعلق ہے تو فراہی صاحب کے نزدیک اجتہاد کو خبر واحد کے مقابلے میں قبول نہ کرنا۔ اس وجہ

سے ہے کہ خبر واحد محتمل بالکذب صدق ہوتی ہے۔فراہی صاحب کے اس اعتراض کا جائزہ پچھلے صفحات میں لیا جا چکا ہے۔اور جب یہ ثابت ہے کہ خبر واحد میں صدق و کذب دونوں کا احتمال ہے تو اجتہاد میں بھی خطاء اور غلطی کا امکان ہے۔اور جب حدیث رسول ﷺ کا مقام اجتہاد سے بلند ہے اگر خبر واحد پر عمل ممکن ہے تو وہاں اجتہاد جائز نہیں مثلاً ایک شخص کو قبلہ میں شک ہوا اور دوسرا شخص اسے قبلہ کی خبر دے تو اس پر عمل کیا جائے گا۔اور تحری نہ کی جائے گی کیونکہ تحری بھی ایک قسم کا قیاس ہے اور خبر واحد قیاس پر مقدم ہے۔

اس بناء پر مولانا مودودیؒ اخبار احاد پر اجتہاد کو فوقیت دینے کے نتائج پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''اب اگر اخبار احاد کو بحیثیت مجموعی رد کر دینے کا اصول اختیار کیا جائے تو نتیجہ یہ ہوگا کہ ہر شخص جزئیات کو اپنی رائے سے مقرر کرے گا اور کسی رائے کو بھی ایسی قوت حاصل نہ ہوگی جس کی بناء پر اسے دوسری رائے کے مقابلہ میں ترجیح دی جا سکے۔ اور مسلمانوں کی کسی بڑی جماعت پر اس کی پیروی لازم ہو جائے۔(۴۲)

خلاصہ بحث

۱۔ احکام سے استنباط کے سلسلہ میں خبر واحد سے استدلال کیا جاتا ہے۔

۲۔ اخبار متواترہ کی تعداد کم ہونے کی وجہ سے ہر شعبہ زندگی میں رہنمائی کے حوالے سے خبر واحد پر انحصار کیا جاتا ہے۔

۳۔ مولانا فراہی کے نزدیک خبر واحد محتمل صدق و کذب اور خطا ہوتی ہے۔اور اس سے یقین کا فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔اس لیے خبر واحد ان کے نزدیک قابل حجت نہیں ہے۔

۴۔ محدثین وفقہا نے خبر واحد سے استدلال کے ضمن میں ایسی کڑی شرائط عائد کی ہیں جن کی بناء پر خبر واحد قابل حجت بن جاتی ہے۔اور وہ شرائط سند و متن سے متعلق ہیں۔

۵۔ خبر واحد میں قبولیت کی شرائط کے ساتھ ساتھ محدثین وفقہاء نے قرائن کا ذکر بھی کیا ہے جو خبر واحد کی تصدیق کے لیے ضروری ہیں۔اور قرائن کی بناء پر حدیث مفید علم یقینی کا فائدہ دیتی ہے۔

۶۔ خبر واحد کی کی حجیت پر صحابہ اکرمؓ کے دور سے لے کر آج تک امت کا اجماع ہے۔

۷۔ مولانا فراہی کے نزدیک تعامل صحابہ وتابعین خبر واحد کے بالمقابل زیادہ اہم ہے۔حالانکہ مالکیہ کے نزدیک بھی خبر واحد تعامل اہل مدینہ کے بالمقابل لائق ترجیح ہے۔

۸۔ مولانا فراہی سنت کے بالمقابل اجتہاد کو فوقیت دیتے ہیں۔اور بطور دلیل امام ابو حنیفہ کا طرز عمل

لاتے ہیں۔ کہ وہ خبر واحد کے مقابل اجتہاد و قیاس کو اہمیت دیتے ہیں۔ جبکہ دلائل سے ثابت ہوتا ہے کہ امام ابوحنیفہ خبر واحد کے مقابلے میں قیاس کو ترجیح نہیں دیتے تھے۔ ہاں ان کے نزدیک خبر واحد کی قبولیت کی شرائط باقی فقہاء کی نسبت زیادہ شدید ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ فراہی، حمید الدین، مقدمہ تفسیر نظام القرآن، ۴۰

۲۔ خالد مسعود، حدیث وسنت کی تحقیق کا فراہی منہاج، روداد سیمینار مقالات فراہی، ۲۳۵

۳۔ ابوالحسن البصری، المعتمد، ۳/۵۴۴

۴۔ عبدالعزیز بخاری، کشف الاسرار شرح اصول البزدوری، ۱/۲۱

۵۔ الغزالی، المستصفی، ۱/۱۴۰

۶۔ ابن حجر، شرح نخبۃ الفکر، ۲۲

۷۔ صبحی صالح، علوم الحدیث، ۱۰

۸۔ البزدوی، علی بن محمد الحنفی، اصول بزدوی، ۳۷۰

۹۔ محمود طحان، تیسیر مصطلح الحدیث، ۱۸

۱۰۔ البزدوی، اصول بزدوی، ص ۱۶۳

۱۱۔ (ن س)

۱۲۔ جصاص، احمد بن علی الرازی، الفصول فی الاصول، ۲/۱۱۴

۱۳۔ (ن م)، ۲/۱۳۲

۱۴۔ ابن حزم، الاحکام فی اصول الاحکام، ۱/۱۱۴

۱۵۔ حسامی، غایۃ التحقیق، ۱۷۵

۱۶۔ عبدالعزیز بخاری، کشف الاسرار، ۲/۷۰۳

۱۷۔ الشافعی، الرسالہ، ۲۲۸، ۳۶۹

۱۸۔ شوکانی، ارشاد الفحول، ۴۸

۱۹۔ محمد ناصر الدین البانی، الحدیث حجۃ بنفسہ فی العقائد والاحکام، ۴۵

۲۰۔ ابن حجر عسقلانی، شرح نخبۃ الفکر، ۶، ۷

۲۱۔ ابن کثیر، مختصر علوم الحدیث، ۳۵

۲۲۔ شوکانی، ارشاد الفحول، ۴۵

۲۳۔ ابن تیمیہ، مجموعہ فتاوی، ۱۸/۴۱

۲۴۔ جصاص، ۳/۷۵

۲۵۔ مصطفیٰ السباعیؒ السنۃ ومکانتھا،۱۷۱،۱۸۷

۲۶۔ نظام الدین الشاشیؒ اصول الشاشی مع احسن الحواشی

۲۷۔ الشاطبیؒ الموافقات ۳/۲۰

۲۸۔ امام بخاریؒ الجامع الصحیح، کتاب الاذان باب الی ابن یرفع یدیہ، رقم حدیث ۷۳۸

۲۹۔ (ن م)، کتاب الاذان باب رفع الدین اذا قام من الرکعتین، رقم حدیث ۷۳۹

۳۰۔ ابن رشد، بدایۃ المجتھد ونھایۃ المقتصد ۱/۱۳۳

۳۱۔ الشاطبیؒ الموافقات ۴/۸۱

۳۲۔ الشعرانیؒ المیزان الکبریٰ ۱/۱۷

۳۳۔ ابن القیمؒ اعلام الموقعین ۱/۳۲

۳۴۔ الذھبیؒ مناقب الامام ابوحنیفہ ۲۱

۳۵۔ خطیب بغدادیؒ تاریخ بغداد ۱۳/۴۱۹

۳۶۔ امام نوویؒ التقریب النوویؒ ۳۵

۳۷۔ ابن الصلاحؒ مقدمہ ابن الصلاحؒ ۸۳

۳۸۔ شعرانیؒ میزان الکبریٰ ۱/۶۲

۳۹۔ شاہ ولی اللہؒ حجۃ اللہ البالغۃ ۱/۳۳۱

۴۰۔ مصطفیٰ السباعیؒ السنۃ ومکانتھا ۴۲۳

۴۱۔ ترمذیؒ الجامع، کتاب الطھارۃ، باب المضمضۃ والاستنشاق من کف واحد رقم حدیث ۲۸، ترمذیؒ الجامع، کتاب الطھارۃ، باب ماجاء فی الوضوء بالنبیذ، رقم حدیث ۸۸، ۱۶۴۰

۴۲۔ مودودیؒ ابوالاعلیٰ، تفہیمات، ۱/۳۵۳